اُردو زبان میں اسلامی علوم

پروفیسر نذیر احمد

اُردو زبان اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر جس درجہ ممتاز ہے ، اس کی مثال ہندوستان کی کوئی دوسری زبان پیش نہیں کر سکتی۔ اولاً اس زبان کی تشکیل ایک مخصوص نہج پر ہوئی۔ اس کے بنیادی اصول یعنی افعال، ضمائر اور حروف تو خالص ہندی ہیں ۔ لیکن اسماء اکثر عربی، فارسی، ترکی اور دوسری ہندوستانی زبانوں کے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عربی فارسی کے اسماء اکثر وہی ہیں جو ہندوستانی فارسی میں رائج تھے اور اپنی اصل سے خاصے متغائر ہو چکے تھے اور جو متغائر نہیں ہوئے تھے عرصے سے یہاں رائج ہونے کی وجہ سے وہ بھی ہندوستانی عنصر ہی شمار ہوتے ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہندوستان کے کسی مخصوص علاقے سے متعلق ہو کر نہیں رہ گئی۔ شمال، جنوب، مشرق اور مغرب ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ جو لوگ اس زبان کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ چودھویں صدی کے ربع اوّل میں بعض سیاسی مصالح کی بنا پر شمالی اور جنوبی ہند کے باشندوں کے مل جل کر رہنے کی صورت پیدا ہوئی تو یہ مشترکہ زبان وجود میں آئی اور تقریباً تین صدی تک دکن میں ترقی کے مدارج طے کرتی رہی۔ اس کے بعد اس کا مرکز شمالی ہند قرار پایا۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو سے زیادہ کوئی دوسری زبان اتنے وسیع علاقے میں بولی یا سمجھی نہیں جاتی۔

اُردو زبان کی ترویج و ترقی میں مختلف مذاہب اور مختلف علاقوں کے لوگوں کا حصہ

ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ ان میں ہندو، سکھ، عیسائی سبھی شامل ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ جو لوگ اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے لئے ڈاکٹر محمد عزیر صاحب کی محققانہ تصنیف "اردو کی ترویج میں اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کا حصہ" بڑی دلچسپ ثابت ہوگی۔

اردو کے ایک مابہ الامتیاز وصف کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔ اس زبان نے ہندوستان کی ملکی اور قومی ضرورت کو جس خوبی کے ساتھ پورا کیا ہے وہ کسی اور زبان کے حصہ میں نہیں آئی لیکن اس سلسلے کی تفاصیل ہماری موجودہ گفتگو کے دائرے سے باہر ہیں۔ فی الحال اس ملک کی مذہبی ضرورت کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی ضرورت دراصل اس گفتگو کا اصل موضوع ہے لیکن اس سے قطع نظر اس زبان کے ذریعے دوسرے مذاہب کی ضرورتیں جتنی پوری ہوئیں وہ بڑی حیرت انگیز ہے۔ مثلاً اس زبان میں ہندو، بدھ، جین، عیسائی، مجوسی وغیرہ مذاہب پر جتنا وافر لٹریچر موجود ہے وہ قابل توجہ ہے اس موقع پر ڈاکٹر محمد عزیر صاحب کی قابل قدر کتاب کے ساتھ ڈاکٹر عبدالحق کی زیر نگرانی ترتیب دی گئی کتاب "قاموس الکتب اُردو" کا حوالہ ضروری ہے جس کے آخری سو صفحات میں اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب سے متعلق اُردو کتابوں کی فہرست شامل ہے اس کا خلاصہ یہ ہے :

عیسائیت و یہودیت :

تراجم توریت مقدس : ۱۸۔ تفاسیر : ۷۔ یہودیت : ۶۔ تراجم انجیل : ۱۱۔ تفسیر : ۹۔ عیسویت : ۵۰۔ جغرافیہ بائبل : ۳۔ عبادات : ۵۔ مزامیر : ۳۔ مذہبی نظمیں : ۴ تعلیمات : ۱۹۔ تبلیغ و وعظ : ۱۸۔ مسیحی اخلاق : ۱۳۔ سوانح مسیح : ۱۶۔ حواریین : ۷ میزان ۱۸۹ کتب۔

ہندو، جین اور بدھ مذہب :

تراجم وید مقدس : ۸۔ تعلیمات وید : ۱۷۔ فلسفہ ویدانت : ۱۰۔ پران : ۱۲۔ بھگتی : ۱۵۱

شاستر : ۴ - اپنشد : ۹ - اخلاق : ۱۴ - ساگر : ۱۴ - پرکاش : ۷ - ہندو تصوف : ۷ - سمرتی : ۸ - یوگ : ۱۲ - گیامہاتم : ۹ - اپدیش : ۸ - گیتا : ۵۸ - ہندومت : ۱۲۹ - دھرم : ۱۹ - برہم چاریہ : ۳ - مہابھارت : ۱۸ - گیان : ۱۶ - کتھا : ۹ - راماین : ۳۶ - آریہ مت : ۷۲ - بدھ مت : ۱۵ - جین مت : ۲۷ - چرتر : ۱۰ - کبیر پنتھ - سکھ مت : ۲۸ - برہمو سماج : ۱۲ - دیوسماج : ۲ - رادھا سوامی مت : ۴ ——— میزان ۶۲۸ کتب

ظاہر ہے کہ یہ دونوں فہرستیں اس لحاظ سے مکمل نہیں ہیں کہ ان میں وہ کتابیں شامل نہیں جو ایک دوسرے کی تائید اور رد میں لکھی گئی ہیں جن کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ اسی طرح وہ منتشر مقالے اور مضامین بھی اس فہرست سے خارج ہیں جو مختلف رسالوں اور مجلوں میں ہر زمانے میں شائع ہوتے رہے ہیں ۔ اس کے باوجود یہ فہرستیں کیا بلحاظ کمیت اور کیا باعتبار کیفیت موجودہ ہندوستان میں اردو کے اپنے مقام پر اگر نوحہ خواں ہوں تو موجب حیرت نہ ہوگی ۔

اردو زبان کی منجملہ اور خصائص کے ایک قابل توجہ خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جتنا اسلامی ادب موجود ہے اتنا عربی و فارسی میں بھی مشکل سے مل سکے گا ۔ عربی زبان میں چونکہ بنیادی مآخذ ہیں اس لئے اس کو نظرانداز کر سکتے ہیں مگر فارسی کے ادب کا پلہ اُردو کے مقابلے میں یقیناً ہلکا رہے گا ۔ گویا اُردو واضح طور پر اس مقام پر پہنچ چکی ہے جہاں وہ عربی فارسی کی حلیف قرار دی جا سکتی ہے ۔ اگر عربی و فارسی کی تحصیل قدیم اسلامی علوم کے مآخذ تک رسائی کی ضامن ہے اور ترکی سے ان علوم کے ذخائر کی کلید حاصل ہو جاتی ہے جو صدیوں سے ترکی کے کتاب خانوں کی زینت ہیں تو اُردو کی تحصیل علوم اسلامی کے ایسے ایسے موضوعات سے روشناس کرائے گی جو سوائے ہندوستان اور اردو زبان کے اور کہیں نہیں مل سکتے ۔ اُردو کے علوم اسلامی کی یہ بڑی اہم خصوصیت ہے ۔

علوم اسلامی کے علاوہ عربی و فارسی ادبیات سے متعلق اُردو زبان میں گزشتہ ۴۰-۵۰ برسوں میں جو کچھ لکھا گیا وہ بھی قابل توجہ ہے۔ فارسی زبان و ادب کے بارے میں خصوصاً اتنا لکھا گیا ہے کہ خود ایران میں اتنا کام نہیں ہوا۔ اگر گزشتہ زمانے میں اہل ہند نے فارسی تذکرے، تاریخیں، فرہنگیں اور کتبِ قواعد لکھ کر فارسی کو مضبوط ستون پر قائم کیا تھا تو موجودہ دور میں اردو کے ذریعے ایسا وقیع تحقیقی اور تنقیدی مواد فراہم کر دیا گیا ہے جو اہل ایران کے لئے رہنمائی کا کام دے سکتا ہے۔ کتابوں اور مستقل تصانیف کا کیا ذکر محض "اورینٹل کالج میگزین" میں فارسی زبان و ادب سے متعلق جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ موجب صد افتخار ہے۔

لیکن افسوس اس کا ہے کہ یہ کارنامے دنیا کی نظروں سے اوجھل ہیں اس لئے کہ ابھی اُردو بین الاقوامی حیثیت حاصل نہیں کر سکی ہے۔ اس کی وجہ سے یورپی مستشرقین اور عربی و فارسی فضلا اُردو کے ان ذخیروں سے بے خبر ہیں۔ یہ لاعلمی جو تمام تر نادانستگی کی بنا پر ہے عام تحقیقی و علمی معیار کو پست کرتی ہے۔ ممکن ہے جس موضوع پر یورپ یا کسی اور ملک میں تحقیق ہو رہی ہو اس پر ہندوستان میں پہلے ہی تحقیق ہو چکی ہو۔ اس طرح موجودہ تحقیق تضییع وقت کے مترادف ہوگی۔ تحقیق کا اصول یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں جہاں تک تحقیق ہو چکی ہے، دوسرا محقق کو وہاں سے شروع کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اُردو کی اس حیثیت کو صحیح طور پہ پیش کر سکیں تو ایک بڑی جماعت کو اردو کی تحصیل پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ یورپی محقق جب علوم اسلامی کے شوق میں عربی فارسی کی تحصیل میں اپنی عمر کا قیمتی حصہ صرف کر سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اُردو زبان کی تحصیل پہ مائل نہ ہو۔ اس طرح کا اقدام ایک طرف تو علمی معیار کی بلندی کا ضامن ہوگا، دوسری طرف اُردو کی مقبولیت کی صورت پیدا ہوگی۔ یورپ اور دوسرے ممالک میں جہاں علوم اسلامی کے شائقین ہیں، اُردو مقبول ہوگی اور کچھ ہی دنوں میں یہ زبان عربی و فارسی کے دوش بدوش یورپی درسگاہوں میں اپنا مقام پیدا کر لے گی۔

اُردو سے بیرونِ ہند کے لوگ کتنے ناواقف ہیں اس کا اندازہ ایک واقعے سے ہو سکے گا یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ فارسی ادب و زبان سے متعلق جتنا تحقیقی اور تنقیدی مواد گذشتہ ۴۰۔۵۰ برسوں میں اُردو میں جمع ہو چکا ہے اس کا پلہ شاید فارسی سے بھاری ہو گا۔ اس کے باوجود اسی دور کے سب سے نامور ایرانی محقق مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے جنکی زندگی کا بیشتر حصہ یورپ میں فارسی کے مسائل کی تحقیق و تدقیق میں بسر ہوا حسب ذیل بیان میں اُردو زبان کے بارے میں جس طرح اظہار خیال کیا ہے وہ عبرت خیز نہیں تو مضحکہ انگیز ضرور ہے:

"اگر فساد اور بربادی کے اس یاجوج و ماجوج کے خلاف ایک سد نہ تیار کیا گیا تو زیادہ عرصہ نہ گذرنے پائے گا کہ سعدی و حافظ کی زبان فارسی ایک ایسی مخلوط زبان سے بدل جائے گی جو مختلفۃ الحقائق اور غیر متناسب الاجزا سے مرکب ہو گی جیسے کہ ہندوستان کی اُردو اور الجزائر کی عربی ہے۔"

ظاہر ہے جو شخص اُردو کو مختلف الحقائق اور غیر متناسب الاجزا سے مرکب بتاتا ہے وہ اس کی حقیقت سے کتنا واقف ہو گا اور اس سے اس زبان میں فارسی کے مواد سے شناسائی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ اس کا واضح نتیجہ ان کے علمی کاموں کے معیار کی پستی کے علاوہ کیا ہو گا۔ اس سلسلے میں بھی دو مثالیں پیش کرنا چاہوں گا۔

ڈاکٹر عبدالعظیم قریب اور دوسرے فضلا رتے ادھر چند سالوں میں بڑے شد و مد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مثنوی "یوسف زلیخا" فردوسی کی تصنیف نہیں ہے۔ ان بزرگوں سے بہت پہلے ہمارے ملک کے مایہ ناز محقق پروفیسر محمود شیرانی اس موضوع پر ایسا محققانہ اور عالمانہ مقالہ لکھ چکے تھے جس کے سامنے ایرانیوں کے استدلال کمزور اور غیر ضروری ہیں۔ پروفیسر شیرانی ہی نے دیوان انوری میں تاج الدین ریزہ کے کلام کے الحاق کی طرف سب سے پہلے لوگوں کو آج سے مدتوں پہلے متوجہ کیا۔ انہوں نے جو کچھ لکھا اُردو میں لکھا۔ ایرانی ادیبوں کو خبر نہیں اور آج دیوان انوری کا جو نسخہ پروفیسر نفیسی جیسے فاضل

کے اعتنار سے شائع ہوا اس میں تاج الدین ریزہ کا خاصا کلام شامل ہے۔ غرض اُردو سے واقفیت کی بدولت تحقیق کا معیار یقیناً بلند ہوگا۔

ہندوستان میں اُردو میں جو کچھ مواد اسلامی علوم اور عربی فارسی ادب و زبان سے متعلق موجود ہے اس کی تہ میں آپ کو ہندوستان کی تاریخ اور تہذیب کے معتبر شواہد ملیں گے۔ مسلمانوں کے قیام حکومت کے ساتھ ہی ہندوستان اسلامی علوم کا بڑا مرکز بھی ہوگیا۔ لاہور، ملتان، دہلی، گجرات، لکھنوتی وغیرہ مراکز ایسے تھے جہاں ہندوستان اور بیرون ہند کے علماء فضلاء علوم کی تحقیق و تدقیق میں مصروف ہوئے۔ یہ روایت صدیوں تک قائم رہی۔ اسی وجہ سے دہلی جو دارالسلطنت تھا۔ اس نے علمی اور تہذیبی ترقی کے اعتبار سے بغداد اور قرطبہ کو بھی دھندلا کر دیا۔ رفتہ رفتہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں نئے مراکز قائم ہوتے گئے۔ مثلاً شمالی ہند میں آگرہ، پٹنہ، لکھنؤ وغیرہ اور جنوبی ہند میں بیدر، گلبرگہ، بیجاپور، احمدنگر، گول کنڈہ اور حیدرآباد وغیرہ۔ ظاہر ہے علوم اسلامی سے متعلق ان مقامات پر جو کام ہوتا تھا اس کی زبان فارسی تھی۔

ہندوستان میں گذشتہ چھ سو سال میں تصنیف کا تمام تر کام فارسی میں ہوتا رہا۔ اسلامی علوم اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ جب فارسی کا زوال ہونا شروع ہوا اور اس کی جگہ ایک نئی زبان اُردو وجود میں آنے لگی تو علوم اسلامی کی اجارہ داری اسی کے حصے میں آئی۔ ابتدا میں یہ نوزائیدہ زبان اس قابل نہ تھی کہ اس میں علمی مسائل بیان ہوتے لیکن رفتہ رفتہ یہ اس قابل ہوگئی کہ اس میں ہر طرح کے مسائل اسی صفائی، زور اور جوش کے ساتھ ادا ہونے لگے جس طرح فارسی میں ہوتے تھے۔ اب ہندوستانی علماء نے اسی زبان کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ قرار دیا۔ پرانے تہذیبی اور علمی مراکز بھی بدل گئے اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ہندوستانی مسلمانوں نے نئے نئے ادارے قائم کئے جن میں دارالعلوم فرنگی محل لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، جامعہ ملیہ اسلامیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان اداروں میں سوائے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سب میں ذریعہ تعلیم اُردو تھا۔ مسلم یونیورسٹی میں بھی علوم اسلامی کی زبان بڑی حد تک اُردو ہی رہی۔ بہر حال اب ہندوستان میں علوم اسلامی کی واحد اجارہ دار اُردو ہے۔ اس نے فارسی کی ساری قدیم روایتیں برقرار رکھی ہیں اور اسی بنا پر ان علوم کے خزائن کی کلید اسی کے پاس ہے۔

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے جس میں مختلف مذاہب، السنہ اور رنگ و نسل کے لوگ آباد ہیں۔ یہاں کی مخصوص ملکی خصوصیت کا اثر مسلمانوں کے طرز فکر پر بہت گہرا پڑا۔ اس فرق کے باوجود یہ بات واضح ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تفکیر اسلام بیرون ہند کے مسلمانوں سے کسی طرح کم تر نہ تھی مسلمانوں کی ذہنی سطح کو بلند رکھنے کے بھی متعدد اسباب موجود تھے۔ منجملہ اور اسباب کے ایک بڑی بات یہ تھی کہ ہندوستان خود ایک بڑی تہذیب اور قدیم علوم کا گہوارہ تھا جس میں علوم عقلی کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ مسلمان جب اس سرزمین میں آباد ہوئے تو انہیں ہندوستان کی اس امتیازی خصوصیت کا کچھ نہ کچھ حصہ ملا۔ علاوہ بریں ہندوستان دوسرے اسلامی ممالک سے پہلے یورپ سے آشنا ہوا اور یورپی علوم اور افکار کی شناسائی اس کے فکر وفہم کو بلند اور وسیع تر کرنے میں نہایت درجہ معین ہوئی۔ کون نہیں جانتا کہ ڈاکٹر محمد اقبال جو فکری اعتبار سے تمام عالم میں منفرد تھے یورپی افکار وعلوم کے کیسے رمز شناس تھے۔ ان کی تحریروں میں ہندی اور یورپی افکار کا ایسا حسین امتزاج ہے جو شاید اس دور کے کسی اور مفکر میں نہیں مل سکتا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنے تفہیم اسلامی میں علمائے عرب و ایران سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں بڑا وزن ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کے کچھ مخصوص مسائل تھے جو بیرون ہند کے مسلمانوں سے بڑی

حد تک الگ تھے۔ مثلاً اتنی بڑی تعداد کہیں اور نہ تھی۔ ان میں مختلف عقائد اور فرقوں کے لوگ تھے جن میں اختلاف اور اتحاد تھا۔ ان دونوں کے گرد ہندوؤں کی بڑی اکثریت تھی۔ ان کا اپنا مذہب اور اپنی تہذیب تھی۔ چنانچہ اکثر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور جھگڑے بھی ہوتے۔ ویسے یہ اختلاف خواہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان ہوں یا ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان، ہر زمانے میں کم و بیش موجود تھے۔ لیکن جب برطانیہ نے ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کی تو حکومت کے استحکام کے لئے اس نے اختلاف کو ہوا دی۔ جس کے نتیجے میں ایک طرف تو ہندوؤں اور مسلمانوں میں اور دوسری طرف مسلمانوں کے اپنے فرقوں کے درمیان شدید قسم کے نزاع اٹھ کھڑے ہوئے۔ شیعہ سنی ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ حنفیت اور وہابیت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، دیوبندی اور بریلوی جھگڑے کی بنیاد پڑی، قادیانی اور غیر قادیانی دست و گریبان ہونے لگے، مسلمانوں اور عیسائیوں کے مناظرے چھڑ گئے، آریہ سماجی اور مسلمان ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ غرض ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان ہر قسم کے مذہبی اختلافات کی آماجگاہ بن گیا۔ یہی اختلافات تقسیم کے بعد کے روح فرسا واقعات کی شکل میں نمودار ہوئے۔

ان مذہبی اختلافات سے متعلق اُردو میں خاصا مواد موجود ہے۔ ظاہر ہے اختلافی مسائل پر لکھنے والوں میں عموماً توازن کم ہوتا ہے وہ فریق ثانی کے جذبات کا بمشکل احترام کرتے ہیں، اور اس کے دلائل کے وزن کو کم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن انہی میں کبھی کبھی کوئی معقول آدمی بھی نکل آتا ہے جس کی تحریر میں سنجیدگی، معقولیت اور وزن ہوتا ہے۔ اس لئے اردو کے ان مختلف فیہ مواد میں وقیع اور قابل توجہ باتیں بھی مل جائیں گی۔ علاوہ بریں اس ضمن میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں وہ اہم اور فلسفیانہ و عالمانہ ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان موضوعات پر ہندوستان کے علاوہ شاید اور کہیں کچھ نہ مل سکے۔ اگر کچھ دستیاب ہوا تو وہ معیاری اور قابل توجہ نہ ہوگا۔ اردو کے اسلامی علوم کی یہی

خصوصیت اس کو فارسی و عربی ادب سے ممتاز کرتی ہے۔ ذیل میں بعض اختلافی مسائل و موضوعات کا ذکر کیا جاتا ہے:

شیعہ سنی آویزش :-

مسلمانوں کے دو بڑے فرقے سنی اور شیعہ ہیں۔ ہندوستان میں شیعوں کا غلبہ مغلیہ دور سے شروع ہوتا ہے۔ شیعہ باوجود قلت تعداد کے تہذیبی اور سیاسی برتری کی وجہ سے خاصے ممتاز اور اثر انداز رہے ہیں۔ اسی بنا پر ان دونوں فرقوں میں برابر آویزش بھی رہی۔ نواب اودھ نے جب لکھنؤ میں ایک آزاد حکومت قائم کرلی تو اس سے شیعوں کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ لکھنؤ اس کا بڑا مرکز قرار پایا۔ اُردو کا بھی یہ بڑا اہم مرکز تھا۔ چنانچہ شیعوں سنیوں کے اختلافات سے متعلق وافر مواد اردو میں جمع ہو گیا۔ اور اس سلسلے میں جن موضوعات پر کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں خلافت، امامت، نبوت و امامت، عظمت صحابہ، خلفائے چہارگانہ، مقام اہل بیت اطہار، خلافت حضرت علی، حضرت علی وصی اللہ، شہادت حضرت عثمان، اختلاف حضرت علی و حضرت معاویہ، باغ فدک، عثمان ذوالنورین، واقعہ کربلا وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان موضوعات اور دوسرے متعلقہ مباحث پر اردو میں جتنا مواد ہے اتنا کسی اور زبان میں نہیں۔ حتیٰ کہ ایران بھی اس سے پیچھے ہے۔ وہاں سنی تقریباً مفقود ہو چکے تھے۔ آویزش اور مقابلے کا کوئی سوال نہیں تھا، اس بنا پر وہاں یک طرفہ نظریہ پیش ہوا ہے جس میں شدت اور تلخی ملتی ہے۔ ہندوستان میں خواہ شیعہ کی طرف سے کوئی چیز لکھی گئی یا سنی کی طرف سے دونوں میں زور استدلال موجود ہے۔ ان کو خوف تھا کہ اگر ان کے دلائل کمزور ہوں گے تو فریق ثانی اس تحریر کے پرخچے اڑا دے گا۔ اس اندیشے نے مصنفین کے معیار تحریر کو برقرار رکھا۔ اگرچہ بعض تحریروں میں اعتدال سے انحراف ملتا ہے لیکن معقول اور معتدل ادب کی بھی کمی نہیں۔ مختصر یہ کہ ان تحریروں کے مطالعے کے بغیر کوئی جامع کتاب ان موضوعات پر لکھی نہیں جا سکتی۔ ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کی فہرست میں اس سلسلے کی ۷۰۰ کتابوں کا نام درج ہے۔

قادیانی و غیر قادیانی اختلاف :

مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو قادیانی اور احمدی کہلاتے ہیں۔ مرزا صاحب خود بڑے پائے کے مصنف تھے، انہوں نے اپنے دعویٰ کی تائید میں متعدد کتابیں لکھیں۔ ان کے خلفاً میں مرزا بشیر الدین محمود احمد نے بھی بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ "قاموس الکتب" میں ان کی ۳۵ کتابیں اور مرزا غلام احمد کی ۸۰ کتابیں مذکور ہیں۔ کتابوں کی تعداد اور ان کے موضوعات سے ان دونوں حضرات کے مرتبے کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک طرف مرزا صاحب اور ان کے پیرو قادیانیت کی تصدیق میں زور قلم دکھا رہے تھے تو دوسری طرف عام علمائے اسلام نے ان کی رد میں بڑا محاذ قائم کر رکھا تھا اور ان کی طرف سے متعدد کتابیں شائع ہو رہی تھیں۔ ان کے موضوعات حقیقت نبوت، مسئلہ ختم نبوت، نبی تشریعی و غیر تشریعی، مسیح موعود، تصلیب مسیح قسم کے نازک اور بنیادی مسائل تھے۔ ان سے متعلق قدیم زمانے میں بھی یکجا مواد نہیں ملے گا۔ اس لئے اردو کے اس سلسلے کے مواد کی بڑی اہمیت ہے اور جو کام ان مواد کو نظر انداز کر کے ہوگا وہ یقیناً تشنہ رہے گا۔ ظاہر ہے ہندوستان کے علاوہ جہاں بھی ان موضوعات پر کام ہوگا وہاں کے لوگوں کو اردو سے ناواقف ہونے کی بنا پر اس مواد سے استفادہ کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ "قاموس الکتب" میں اس سلسلے کی ۲۱۱ کتابیں درج ہیں۔

فرقہ وہابی و غیر وہابی :

وہابی دو طرح کے ہیں ایک سیاسی دوسرے مذہبی۔ سیاسی وہابی وہ ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف انیسویں صدی کے اوائل کے بعد بڑا محاذ قائم کر لیا تھا۔ ان میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی شخصیتیں نہایت ممتاز ہیں۔ یہ بزرگ تحریک آزادی کے بڑے علمبردار اور مجاہد تھے اور ۱۸۵۷ء کی تحریک سے قبل انہوں نے انگریزوں سے جس طرح ٹکر لی وہ تحریک آزادی کی تاریخ میں ہمیشہ یادرکھی جائے گی۔ ان حضرات کو عوام میں بدنام اور ان سے عوام کو بدظن کرنے کی غرض سے اس تحریک کو انگریزوں نے وہابی تحریک کے نام سے موسوم کر دیا۔ اس تحریک سے متعلق کئی نہایت بڑی عالمانہ اور محققانہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں

ملا سے صرف اس لحاظ سے اسلامی ادب میں جگہ مل سکے گی کہ ان بزرگوں کا مقصد ہندوستان
ں ایک عادل مسلم حکومت کا قیام تھا۔ ان میں بیشتر وہی تھے جو تقلید شخصی کے قائل نہ ہونے کی
جہ سے غیر مقلد کہلاتے تھے۔ مگر چونکہ ان کا رجحان سیاست کی طرف تھا اس لئے ان کو مذہبی
ہابی یا غیر مقلد سے الگ سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ آخر الذکر جماعت صرف تقلید شخصی کی نفی کرتی
ہے۔ چونکہ ہندوستان میں مقلدین کی بھاری اکثریت ہے اس لئے دونوں میں اختلاف ناگزیر
ہو گیا۔ چنانچہ دونوں فریق نے اپنے اپنے دعوؤں کی تصدیق میں کتابیں تصنیف کیں۔ غیر وہابی ،
ہابیوں یعنی غیر مقلدوں پر صرف یہ الزام رکھتا کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ کی اتنی تعظیم نہیں کرتے
جتنی کے وہ مستحق تھے۔ غیر مقلدین ان کے متعلق کہتے کہ ان میں بدعت پیدا ہو گئی ہے۔ غرض تقلید شخصی
جیسے نازک مسائل پر طرفین کے بڑے بڑے لوگوں نے اظہار خیال کیا ہے جو نہایت وقیع اور
قابل مطالعہ ہے۔ یہ سارے کا سارا مواد اردو ہی میں ہے۔ ان موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے
لو اردو کے ان ذخائر سے استفادہ ناگزیر ہو گا۔ "قاموس الکتب" میں اس سلسلے کی ۲۱۶ کتابیں
درج ہیں ۔

دیوبندی و بریلوی فرقے :

حنفیوں کے دو بڑے فرقے بھی ہیں۔ دونوں میں کوئی بنیادی اور اصولی اختلاف نہیں۔ صرف
چند فروعی اختلاف ہیں جن کو اتنا طول دیا گیا ہے کہ انہیں اصولی اختلاف قرار دے دیا ہے۔
موضوعات : بدعت ، میلاد یا قیام میلاد ، زیارت ، فاتحہ اور دوسرے رسوم ہیں۔ چونکہ
ان کے موضوعات اتنے اہم نہ تھے اس لئے ان کتابوں کا انداز سخن عالمانہ و محققانہ نہیں ہے۔
اس سلسلے میں بڑی کتابیں بھی کم ہیں۔ چھوٹے چھوٹے رسالوں کی بہتات ہے جن میں فریق ثانی
پر رکیک حملے کئے گئے ہیں۔ اس تحریک کا تعلق خواص سے زیادہ عوام سے ہو گیا تھا اس لئے
اکثر کتابیں عوامی اور عامیانہ جذبات سے پر ہیں۔ البتہ بعض کتابیں جو مستند علماء کی ہیں
جن کی تعداد کم ہے ، بہت مفید اور درخور توجہ ہیں۔ بہر حال وہی چند تصانیف ہیں جن پر اردو

ادب بجا طور پر فخر کر سکتا ہے اور وہی مطالعہ کے لائق بھی ہیں۔

فرقہ مہدویہ :

سید محمد جون پوری جو اس فرقے کے بانی ہیں، جون پور کے رہنے والے تھے لیکن ان کا مذہب دکن میں بہت رائج ہوا۔ چنانچہ کچھ دنوں تو احمد نگر کا سرکاری مذہب بھی رہ چکا تھا۔ ویسے دکن کے مختلف حصوں میں اس فرقے کے لوگ مل جائیں گے۔ بعد میں اس مذہب کی بعض اصولی کتابیں اردو میں بھی لکھی گئیں۔ اس فرقہ کے خلاف اردو میں تصانیف بہت کم ہیں۔ مہدوی ادب جو اردو میں ہے اس میں دوسرے اسلامی فرقوں سے چھیڑ چھاڑ نہیں ہے۔ اس سلسلے کی بعض کتابیں ابھی قلمی شکل میں ہیں جو اس کے ماننے والوں کے پاس محفوظ ہیں۔ مہدویوں نے سید محمد جون پوری کو مہدی موعود قرار دیا تھا، اس لئے ان کی تحریروں میں "مہدی موعود"، "مسیح موعود" وغیرہ مسائل کی بحث ملتی ہے۔ بہر حال مختصر ادب ہونے کے باوجود نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں۔

ارباب عقل یعنی متکلمین :

اس جماعت کو کسی نام سے یاد کیجئے، متکلمین کہئے، معتزلہ کہئے، ارباب عقل و ارباب فلسفہ کہئے، مسلمانوں میں یہ لوگ ابتدا ہی سے موجود تھے۔ جو مذہبی امور میں عقل کی برتری کے قائل تھے۔ وہ ہر اسلامی معاملے کو عقل سے پرکھتے۔ اس لئے ان کے یہاں فلسفیانہ موشگافی اور معنی آفرینی پائی جاتی ہے۔ ان کا موضوع فکر عرب کے مذاق کے موافق نہ تھا، یہ بیشتر عجمی ذہن ہے، عربوں کا میدان عمل اور ان حضرات کا فکر، بہر حال خالص علمی اعتبار سے ان موضوعات کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ موضوعات اس طرح کے تھے :

تجسیم خداوندی، صفت و ذات خداوندی، عدل، جبر و اختیار، خلق قرآن امکان کذب، معراج جسمانی و روحانی، تصور بہشت و دوزخ وغیرہ۔

فی نفسہ یہ بڑے جاذب توجہ موضوعات ہیں۔ اردو میں ان پر کافی لکھا گیا

ہے۔ اگرچہ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اُردو کی کتابیں عربی و فارسی کے مقابلے میں کس پائے کی ہیں، لیکن ان کتابوں کی کثرت، ان موضوعات کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ بہرحال اگرچہ یہ خالص ہندوستانی موضوع نہیں پھر بھی علمائے ہند کی اس سلسلے کی کوشش نظرانداز نہیں کی جا سکتی۔ "قاموس الکتب" میں اس موضوع پر ۵۵۴ کتابیں درج ہیں۔

ارباب حدیث و منکرین حدیث:

حدیث کی تحقیق و تلقین جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غیر معمولی شغف کا نتیجہ ہے، مختلف فنون کی موجد ہے۔ رواۃ کا سلسلہ اور علم اسماء الرجال صرف حدیث کی تحقیق کے جذبے سے پیدا ہوا اور یہ علم ایسا مہتم بالشان ہے جس کی مثال کہیں اور نہیں مل سکتی۔ میرے نزدیک کمزور سے کمزور حدیث کے سلسلے میں جو حقائق ملتے ہیں وہ دنیا کے بڑے بڑے مستند واقعات میں نظر نہیں آتے۔ میری مراد یہ ہے کہ جو حدیث بیان ہوئی ہے اس کا کوئی نہ کوئی راوی ضرور ہے اور وہ راوی ایسا ہے جس کا حال آج بھی محفوظ ہے۔ بعض اوقات کمزور حدیث بھی کئی رواۃ سے نقل ہوئی ہے۔ آپ ذرا آج سے ہزار ڈیڑھ ہزار سال کے کسی واقعے کو لیں، ہمعصر اور معتبر شہادت جو اس وقت تک کسی نہ کسی شکل میں باقی ہو، اس کے ملنے کا کیا ذکر، سو دو سو برس بعد کی کوئی معتبر شہادت میسر نہیں آتی اور ہم محض شہرت عام کی بنا پر اس واقعے پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کمزور ترین حدیث سے اس واقعے کا مقابلہ دیانت داری سے کریں تو آپ جس بات پر یقین قطعی رکھتے ہیں وہ اس حدیث کے پیش نظر بے حقیقت نظر آئے گی۔ لیکن اس کے باوجود خود مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا ہے جو حدیث کی حقانیت کا منکر ہے۔ یہاں اہل حدیث کی حمایت میں کچھ نہیں کہنا ہے لیکن یہ بات قابل ذکر ضرور ہے کہ یہ حضرات حدیث کے متعلق ایک ایسا قطعی معیار قائم کرنا چاہتے ہیں جو حقیقت

کاملہ کو بتا سکے۔ بہر حال منکرین حدیث نے حدیث کے ابطال میں اور ارباب حدیث نے اس کے احقاق میں بڑے بڑے کمال دکھلائے ہیں۔ چونکہ موضوع نہایت عالمانہ ہے اس لئے اس سلسلے کی کتابوں میں استدلال کا طرز بھی عالمانہ اور محققانہ ہے۔ یہی وجہ ہے یہ کتابیں بڑی معیاری ہیں۔ موجودہ دور میں خصوصاً پنجاب میں اس سلسلے میں کافی لکھا گیا ہے اور جو لکھا گیا ہے وہ سب اردو میں ہے۔ اس اعتبار سے اُردو کا دامن وسیع ہو گیا ہے۔ جو ان موضوعات سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے اس سلسلے کی اُردو کتابوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اردو میں جو مواد ہے وہ یقیناً عربی و فارسی سے زیادہ ہے گو عربی میں اس سلسلے کے بعض وقیع مآخذ ہیں۔

آریائی مناظرے:

ہندوستان کے آریہ سماجیوں اور مسلمانوں کے بڑے مذہبی مناظرے ہوئے اور دونوں نے اپنے نقطہ ہائے نظر اردو میں پیش کئے۔ آریہ سماجیوں کا مرکز لاہور تھا جہاں اردو کا بڑا چرچا تھا۔ اس بنا پر مناظرے اور مقابلے کی زبان اُردو ہی قرار پائی۔ اُردو میں اس سلسلے کا کافی مواد ملتا ہے۔ لیکن اس میں انتہا پسندی ضرور ہے۔ اس طرح کے مناظروں کے اہم موضوعات وحدانیت و رسالت، تنزیل قرآن ختم نبوت، عقیدہ قیامت، مسئلہ تناسخ وغیرہ تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ موضوعات نہایت فلسفیانہ تھے اور اس بنا پر بہت اہم ہیں۔ اور لکھنے والوں نے بھی مضبوط استدلال سے اپنے نقطۂ نظر کی تصدیق کرنے کی کوشش کی ہے۔ "قاموس الکتب" میں اس سلسلے کی ۱۱۱ کتابوں کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے اس سلسلے کا کوئی مطالعہ ان کتابوں کو غائر نظر سے دیکھے بغیر مکمل اور اطمینان بخش نہیں ہو سکتا۔ یہ موضوع خالص ہندوستانی ہے اور اس میں ہندوستانی نقطۂ نظر دونوں فریق کی کتابوں میں موجود ہے۔

عیسائی اور مسلمان :

ہندوستان میں عیسائی مذہب کی تبلیغ و ترویج مشنریوں کے ذریعے بڑے ضبط و نظم کے تحت ہوتی رہی۔ جب ان کی تبلیغ کا رخ مسلمانوں کی طرف ہوا تو علماء نے روک ٹوک کی۔ اس نتیجے میں فریقین میں مناظرے ہوئے۔ ان تحریری اور تقریری مناظروں اور مقابلوں کے موضوعات مسئلہ ختم نبوت۔ تنزیل قرآن، تحریف انجیل استشہاد نبوت خاتم المرسلین از توراۃ و انجیل، تصلیب و تثلیث وغیرہ تھے۔ موضوعات کی اہمیت کی وجہ سے اس سلسلے کی کتابیں کافی قابل توجہ ہیں۔ انگریزی اور دوسری زبانوں میں عیسائیت اور اسلام کے بارے میں کافی ذخیرہ مل جائے گا مگر ان اختلافی مسائل پر جتنا مواد اُردو میں موجود ہے کسی زبان میں نہ ہوگا۔ اور عربی و فارسی تو ان موضوعات سے یکسر خالی ہیں۔ یہ ہندوستان کا خاص مسئلہ تھا، اس لئے یہاں اس سلسلے کی کتابیں لکھی گئیں۔ "قاموس الکتب" میں ۲۲۲ کتابوں کا نام درج ہے جو متعلقہ موضوعات پر تحریر ہوئی ہیں۔

تصوف :

اسلام کی تبلیغ میں جو طریقہ کار سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا وہ تصوف کا تھا۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ صوفیوں کی وجہ سے اسلامی پیغام عام ہوا۔ تصوف ہندوستانی مزاج کے لئے نہایت سازگار تھا اس لئے کہ ہندو مذہب میں ترک دنیا ایک اہم مذہبی فریضہ تھا اور صوفیوں کی زندگی تارک الدنیا کی سی ہوتی تھی۔ اس لئے ہندوستان کے باشندے ان کی طرف کھنچ کھنچ کر چلے آتے۔ ان صوفیوں کی زندگی میں جو کشش تھی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ بنی نوع کی خدمت اور ان سے محبت ان کا اہم مشغلہ تھا۔ اپنی زندگی اور طریقہ تعلیم سے حضرات صوفیہ اسلامی پیغام ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا رہے تھے۔ ظاہر ہے ان حضرات کے مخاطب خواص سے زیادہ

عوام تھے اس لئے انہوں نے اپنے وعظ یہاں کی زبانوں میں دیئے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے ابتدائی نمونے انہی صوفی بزرگوں کے مکالمات میں مل جاتے ہیں۔ ہندوستان کے جس حصہ میں یہ بزرگ گئے وہاں کی زبان سے ان کی شناسائی کا پتا چلتا ہے۔ بعض صوفی بزرگوں کا خیال ہے کہ مقامی بولی یا ہندی تصوف کی تعلیمات کے لئے نہایت سازگار ہے۔ ہم یہاں پر حضرت سید گیسو دراز کا ایک قول نقل کرنے پر اکتفا کریں گے:

بروز جمعہ ۱۹ رمضان ۸۰۲ھ کو ایک مرید نے عرضداشت کی: "چہ سبب است کہ البتہ ذوق صوفیاں در ہندوی بیشتر باشد، و در صوت و غزل و قول آں چناں نیست" آپ نے فرمایا: "در ہر یکی خاصہ از آں اوست کہ در دیگری نیست اما ہندوی بیشتر نرم و مروق می باشد و سخن کشادہ گفتہ می شود و آہنگ بر وفق او نرم مروق می باشد و گریہ کناند و اشارت بخرابی و عجز و انکساری کند بضرورت مرد صوفی" از آنجا بیشتر میلی باشد۔۔۔۔۔۔ تازکی و لطافت و اشارت بمعاملتی دیگر باشد کہ جز بہ ہندوی نتواں گفت و ایں تجربہ معلوم گردد"۔

ان وجوہ سے اردو کی ابتدائی نشوونما میں ان بزرگوں کا خاص ہاتھ رہا ہے۔ جس کا بین ثبوت ڈاکٹر عبدالحق کا اسی عنوان کا رسالہ فراہم کرتا ہے۔ بعد کے صوفیوں نے اُردو ہی کو اپنے وعظ و نصائح کے لئے منتخب کیا اور اسی میں تصنیف و تالیف کرنے لگے۔ ابتدائی صوفیانہ رنگ کی نظم و نثر کی سینکڑوں مثالیں دکنی اُردو میں ملتی ہیں جن میں سے اکثر چھپ بھی گئی ہیں۔ یہ بھی تاریخ ادب اُردو کا ایک اہم واقعہ ہے کہ اس کی پہلی نثری تصنیف "معراج العاشقین" ہے جو سید گیسو دراز کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ انتساب کافی مضبوط قرائن کی بنیاد پر نہیں پھر بھی چونکہ سید صاحب کا میلان اردو کی طرف تھا، یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں کہ ان کی کوئی تصنیف اُردو زبان میں مل جائے۔

اُردو کی زندگی کی ایک بڑی مدت دکن میں گذر جانے کے بعد اس کا مستقر شمالی ہند قرار پاتا ہے۔ یہاں بھی اس زبان نے اپنی روایت قائم رکھی اور صوفی بزرگوں کے ہاتھوں پروان چڑھتی رہی۔ یہ ضرور ہے کہ یہاں صوفیوں کے علاوہ اور دوسرے حضرات نے بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ اسی زبان میں جاری کیا برخلاف دکن کے جہاں کی بیشتر ابتدائی تصانیف صوفیانہ اور اخلاقی رنگ کی ہیں۔

ان اسباب کی بنا پر اردو کی ترقی کی ایک اور صورت صوفیہ کی کوشش کی شکل میں نکل آئی اور رفتہ رفتہ اس میں سیکڑوں صوفیانہ کتابیں لکھی گئیں جن میں سے بعض میں تصوف کے متعلق یقیناً نئی اور قابل توجہ باتیں مل جائیں گی۔ اور ادھر چند برسوں میں تصوف پر بعض فضلاء نے ایسی معرکہ آرا کتابیں لکھی ہیں جن کی مثال فارسی میں نہ ملے گی۔ میرے دوست پروفیسر خلیق احمد نظامی کی "تاریخ مشائخ چشت" بعض اعتبار سے شاید اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب ثابت ہو جس کی مثال کسی اور زبان میں مشکل ہی سے دستیاب ہو سکے گی۔ "قاموس الکتب" میں ۱۹۵ صوفیانہ کتابوں کی فہرست درج ہے۔

اس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا ناگزیر ہے کہ قدیم زمانے سے تصوف کا جو سرمایہ اُردو میں ہے اس میں کوئی بڑا امتیازی کارنامہ شامل نہیں۔ دراصل یہ سارے پند و نصائح اور وعظ و تبلیغ کے مجموعے ہیں جن میں بڑے مسائل اور عالمانہ طرز استدلال کا فقدان ہے۔ اس اعتبار سے اردو کا صوفیانہ سرمایہ فارسی کے مقابلے میں ہلکا ہے۔ لیکن بیسوی صدی کے تنقیدی اور تحقیقی سرمائے میں جن میں بیشتر طویل مقالات اور چند کتابیں ہیں کافی محققانہ اور قابل توجہ مواد فراہم ہو گیا ہے۔

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہندوستان کا اسلامی اردو ادب بعض خصائص کے اعتبار سے بیرونِ ہند کے اسلامی ادب سے منفرد ہے۔ اول اس ادب کا یہ امتیاز اس کے اپنے ملک کے جغرافی، سیاسی اور مذہبی

حالات کا مرہون منت ہے۔ یہ حالات کسی دوسرے اسلامی ملک میں نہ تھے، اس بنا پر وہاں کے اسلامی ادب میں یہ خصائص نہ پیدا ہو سکے۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اسلامی ادب کے ساتھ ہمارا یہ ادب خالص ہندوستان کی پیداوار ہے اور اس ملک کی گہری چھاپ اس پر موجود ہے۔ قادیانی مذہب سے متعلق کوئی کتاب ہو یا مہدوی فرقہ سے، آریہ سماج کے رد میں کوئی کتاب ہو یا عیسائیت کے، سب ہندوستان سے متعلق تھے اور یہ سب ہندوستانی ادب ہوگا۔

اوپر جن عوامل کا ذکر ہوا ہے ان میں سے بیشتر اختلافی ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ اردو کا سارا سرمایہ اختلافی امور سے پر ہے۔ ان اختلافی مسائل کے ذکر سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اردو ادب میں جو اسلامی علوم ہیں ان کی چند ایسی خصوصیات ہیں جو اور کہیں نہیں پائی جاتیں۔ اور اسی امتیاز کی بنیاد پر وہ ادب نہایت وقیع اور درخور توجہ ہے۔ ہم یہ اشارہ کر چکے ہیں کہ ہندوستان صدیوں تک اسلامی علوم کا بہت بڑا مرکز رہا ہے۔ ان مراکز میں ایشیا کے مختلف ممالک کے چوٹی کے علمار رہ چکے ہیں۔ اس روایت کا سلسلہ مدتوں تک باقی رہا۔ اس کے نتیجے میں ہمارے علمار کا اسلامی علوم میں درک بیرون ہند کے علمار سے حقیر نہ تھا۔ اور آخر انیسویں صدی سے دیوبند، ندوۃ العلمار اور دوسرے بڑے عربی مدارس نے تمام اسلامی ممالک کی مذہبی ضرورت کی کفالت کی۔ سمرقند، بخارا، ترکی، عراق، شام، عرب، مصر، انڈونیشیا، افغانستان، چین، تبت اور دوسرے ممالک کے سینکڑوں تشنگان علم انہی سرچشموں سے سیراب ہوتے رہے ہیں۔ اگر ان مدارس کی علمی روایات یا معیار میں انحطاط ہوتا تو ان کی یہ عالمگیر شہرت باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ ان عربی اور دینی مدارس کے ساتھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ اگرچہ یہ دونوں ادارے علوم

اسلامی کے بڑے مراکز نہیں ہیں، یہاں اسلامی علوم کے ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی اور دوسرے فنون کی تعلیم دی جاتی ہے، لیکن یہاں کے سارے طلبہ کو اسلامی روایات و خصوصیات سے آشنا اور مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے۔ ان اداروں کی یہی خصوصیت بیرون ہند کے تشنگان علم کو یہاں کھینچ کر لاتی رہی ہے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی علوم کا پایہ مقابلتاً کبھی فروتر نہیں رہا۔ ادھر چند برسوں سے ہمارے معیار میں کچھ فرق نظر آرہا ہے۔ مگر یہ بات صرف انہی علوم سے مخصوص نہیں۔ یہ عالمگیر صورت حال ہے جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی بے پناہ اور ناگزیر کشش سے پیدا ہورہی ہے۔

یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ ہمارے علمار کی تصنیف کا معیار دوسرے ممالک کی تصانیف سے پست نہیں۔ اگر کسی طرح یہاں کے متبحر علمار کے افکار کا مقابلہ بیرون ہند علمار کے افکار سے کرسکتے تو ہمارا دعویٰ بہت قوی ہوجاتا۔ ظاہر ہے کہ ایک تعارفی مقالے میں اس کا موقع نہیں۔ البتہ گزشتہ دور کے چند صاحب فکر بزرگوں جن میں مولانا قاسم، سرسید احمد خاں، مولانا شبلی نعمانی، ڈاکٹر اقبال، مولانا اشرف علی، سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، ابوالاعلیٰ مودودی۔ ابوالحسن علی ندوی وغیرہ ممتاز ہیں، ان کی تصانیف کا مقابلہ اسلامی ممالک کے کسی عالم کی تصانیف سے کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی اسلامی تفکیر کا کیا مرتبہ ہے۔

ہندوستان کی بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمارے یہاں ایسے تحقیقی ادارے جہاں کسی اسکیم کے تحت بڑے کام اجتماعی طور پر انجام پاسکیں، وجود نہیں رکھتے۔ اس میں کسی اور کا قصور نہیں، تقصیر صرف کام کرنے والوں کی ہے کہ ہندوستان کے تحقیقی اداروں کی طرف سے جتنے کام انجام پاسکتے ہیں، ان سے کہیں زیادہ کام انفرادی طور پر نجی کاوشوں سے ہوسکا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کام جس معیار کا ہوسکتا تھا ناگزیر کوتاہیوں کی وجہ سے نہیں

ہو سکا۔ بالکل یہی صورت اسلامی علوم سے متعلق اداروں کی ہے۔ ہندوستان میں ان علوم سے متعلق جو ادارے ہیں، یہاں کے کام انہی کے رہین منت نہیں بلکہ اشخاص نے انفرادی طور پر اعلیٰ کتابیں لکھی ہیں۔ اس کے باوجود چند قابل توجہ ادارے ایسے ہیں جن کے ذریعے اہم کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ ان میں میرے نزدیک سب سے مشہور ادارہ دار المصنفین اعظم گڑھ کا ہے۔ اس ادارے کے بانی مولانا شبلی تھے۔ ان کی توجہ سے ادارے نے بڑی ترقی کی۔ ادارے کے اغراض میں اسلامی علوم کے ریسرچ اسکالر کی نگرانی، اسلامی تاریخ سے متعلق کتابیں لکھنا اور چھاپنا اور "معارف" نام کا ایک علمی و ادبی رسالہ شائع کرنا تھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ ادارہ کم و بیش ۴۶ سال سے اپنے مقاصد نہایت کامیابی کے ساتھ پورا کر رہا ہے۔ "معارف" کی ۹۲ جلد کا آخری شمارہ اس وقت پیش نظر ہے۔ نہایت مسرت کا مقام ہے یہ رسالہ مولانا شبلی کے خواب کی عملی تعبیر ہے اور جس اعلیٰ معیار کے ساتھ ان کے زمانے میں نکلتا تھا اور جس کو مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے بڑی تابناکی بخشی تھی، اب شاہ معین الدین احمد ندوی کی ادارت میں اس کی وہی روایت برقرار ہے۔

دار المصنفین نے تاریخ اسلامی کی جتنی خدمت کی ہے اس سے ہندوستان اچھی طرح متعارف ہے۔ اس ادارے نے آغاز قیام سے اس وقت تک ۹۲ کتابیں شائع کی ہیں ان میں سلسلۂ سیرۃ النبی، سلسلۂ سیر الصحابہ و سیر الصحابیات، سلسلہ تاریخ اسلام جن میں ہر ایک متعدد جلدوں پر مشتمل ہے، بے حد مقبول ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے نہ جانے کتنے ایڈیشن نکل چکے ہیں اور "سیرۃ النبی" کی بعض جلدوں کے ترکی، فارسی اور دوسری زبانوں میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ "شعر العجم" اور "عمر خیام" بھی فارسی ترجمہ ہو چکی ہیں۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ جن موضوعات پر یہ کتابیں ہیں، ان پر ان سے زیادہ جامع کتاب نہیں مل سکتی۔ "سیرۃ النبی" کے چھ حصے ہیں جن کی ضخامت

کئی ہزار صفحوں کی ہے۔ دراصل ان کے مطالعے سے مصنفین کے تبحر علمی اور طرز استدلال کی داد دی جا سکتی ہے۔

ظاہر ہے کہ دارالمصنفین کی نہ تاریخ بیان کرنے کا موقع ہے اور نہ اس کی قصیدہ خوانی مقصود ہے۔ دراصل یہ عرض کرنا ہے کہ اس ادارے نے اسلامی تاریخ اور متعلقہ علوم کی جو خدمت انجام دی ہے اس کی مثال کسی ایک ادارے کے ذریعے پیش نہیں کی جا سکتی۔

ہندوستان کا ایک دوسرا ادارہ جس کی خدمات بہت وقیع ہیں ندوۃ المصنفین دہلی ہے۔ اس کے مقاصد تقریباً وہی ہیں جو دارالمصنفین کے ہیں۔ اس نے تاریخ اور علوم سے متعلق متعدد معرکہ آرا کتابیں شائع کی ہیں۔ اس کا ایک بلند پایہ ماہوار مجلہ "برہان" کے نام سے شائع ہوتا ہے جس میں نہایت معیاری تحقیقی اور تنقیدی مضامین تاریخ اسلام وغیرہ سے متعلق نکلتے ہیں۔ ندوۃ المصنفین البتہ ریسرچ اسکالر کی اس طرح نگرانی نہیں کرتا جس طرح دارالمصنفین میں ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اوالذکر کی بعض کتابیں خود ادارے کے لوگوں کی نہیں ہیں۔ لیکن ملک کے مستند مصنفوں کا تعاون اس ادارے کو حاصل ہے اس بنا پر اس کی شائع کردہ کتابیں بڑی معیاری ہیں۔ پروفیسر نظامی کی "تاریخ مشائخ چشت" اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی کئی کتابیں اسی ادارے نے چھاپی ہیں۔

ایک تیسرا اہم ادارہ جس نے اردو میں اسلام پر بڑی وقیع کتابیں چھاپی ہیں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ہے۔ اس ادارے نے بارہ سال میں بڑی اہم کتابیں چھاپی ہیں جو اپنے معیار کے اعتبار سے ہر جگہ وقعت کی نظر سے دیکھی جائیں گی۔ ان اہم مطبوعات میں حکمت رومی، تشبیہات رومی، اسلام کا نظریہ حیات، مسئلہ اجتہاد، افکار غزالی، سرگذشت غزالی، افکار ابن خلدون، مقام سنت، پیغمبر انسانیت، اسلام اور موسیقی، مسئلہ تعدد ازدواج، تحدید نسل، اجتہادی

مسائل، حکمائے قدیم کا فلسفہ اخلاق، تاریخ تصوف، اسلام اور رواداری، سیاست شرعیہ، اسلام میں عدل واحسان، تاریخ جمہوریت، سرسید اور اصلاح معاشرہ، اسلام کی بنیادی حقیقتیں، اسلام اور مذاہب عالم، اسلام میں حقیقت نسواں، اسلام کا نظریہ تاریخ، دین فطرت، مقام انسانیت، قرآن اور علم جدید، تہذیب اور تمدن اسلامی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ یہ ادارہ ایک ماہوار رسالہ بھی شائع کرتا ہے جس میں اسلام سے متعلق تحقیقی مضامین شامل ہوتے ہیں۔ اس رسالے کی بارھویں جلد سامنے ہے۔ جن موضوعات پر یہ کتابیں ہیں، ان پر میرے خیال میں سب سے مستند مواد انہی کتابوں میں ہے۔

ان چند اداروں کے ذکر کے بعد اُردو زبان میں اسلامی علوم و مذہب سے متعلق جو سرمایہ ہے اس کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ جائزہ ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کی مرتبہ "قاموس الکتب" پر مبنی ہے جس میں مذہب اسلام سے متعلق ۱۰۹۱۲ کتابوں کی فہرست درج ہے۔ کتابوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھنے کے بعد ڈاکٹر موصوف نے بالکل صحیح لکھا:

"فہرست کے دیکھنے کے بعد اندازہ ہوگا کہ ہماری زبان و ادب کا دامن کتنا وسیع ہے اور یہ بھی کہ اس زبان میں خاص طور پر مذہب اسلام کے بارے میں اب تک جو ذخیرہ فراہم ہوا ہے، شاید دنیا کی کسی زبان میں ہو"۔

باینہمہ اس زبان کو عربی و فارسی و ترکی کے برابر کا درجہ نہ ملنا افسوس اور تعجب کی بات ہے۔ اس کی ذمہ داری اردو داں حضرات کے سر ہے۔ جو اردو ادب کی اس حیرت انگیز خصوصیت کو عام کرنے کی صورت نہیں نکالتے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے مواد کو ۱۲۰ عنوان کے تحت پیش کیا ہے۔ ذیل میں

کتاب کے سارے عنوان مع تعداد کتب کے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس سے آپ اردو ادب کے اس سرمائے کی وسعت، ہمہ گیری اور افادیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ رہا یہ کہ ان کتابوں میں اسلامی تفکیر کتنی ہے تو اس کے متعلق تو صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب ہندوستانی علماء عربی میں کچھ لکھتے ہیں تو وہ عرب اور ایران اور دوسرے ممالک میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، اس لئے ان کی اُردو کی تحریریں اور بھی زیادہ وقیع ہوں گی۔ اپنی مادری زبان میں اظہار خیال میں زیادہ پختگی، سنجیدگی اور وقار ہوتا ہے۔ دور نہ جائیے ہمارے ملک کے نوجوان عالم مولانا ابوالحسن علی ندوی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہ عرب اور دوسرے اسلامی ممالک میں کتنے مقبول ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ ان کا مرتب کردہ سفرنامہ عرب ممالک میں چھپ چکا ہے اور مکہ یونیورسٹی کے (VISITING) پروفیسر اور یونیورسٹی کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔ ان کا جتنا احترام ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے ان کی مقبولیت کا راز ان کے علم کی پختگی اور افکار کی گہرائی میں مضمر ہے، جس کا اندازہ اہل عرب نے ان کی بعض کتابوں کے مطالعے اور زبانی گفتگو سننے سے کیا ہوگا۔ اگر وہ مولانا کی اپنی زبان میں تصنیف کی ہوئی کتابیں پڑھ سکتے تو انہیں مولانا کے علم کی وسعت کا صحیح اندازہ ہوتا۔ دوسری مثال مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی ہے۔ وہ عالم اسلام میں اپنی اسلامی فکر و مطالعہ کی وجہ سے بہت قابل احترام مانے جاتے ہیں۔ ان کی بعض کتابیں عرصہ ہوا فارسی اور عربی میں منتقل ہو چکی ہیں۔ انہوں نے اسلام کو جس طرح موجودہ دور کے مسائل کی روشنی میں سمجھا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ اس اعتبار سے عالم اسلام میں ان کی مثال آج کل مشکل ہی سے مل سکے گی۔

ظاہر ہے یہ بحث صرف دو عالموں کے ذکر پر ختم نہیں ہو سکتی۔ اس کا سلسلہ کافی دور تک چلا گیا ہے۔ فی الحال یہ گفتگو صرف اردو زبان کے علوم اسلامی کی اجمالی فہرست پر ختم کر دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کے مقرر کئے ہوئے عنوان یہ ہیں ۔

تراجم قرآن	۵۹	تفاسیر سور	۲۱۴
تجوید	۸۶	تفاسیر الآیات	۲۰
تفاسیر قرآن	۱۴۳	مقدمہ تفاسیر	۱۷
اصول تفسیر	۷	کتب حدیث شیعہ	۱۳
تعلیمات قرآن	۳۹	اصول حدیث	۱۷
احکام القرآن	۲۳	اسمار رجال	۱۹
قصص القرآن	۹۹	تاریخ تدوین حدیث	۲۱
سرزمین قرآن	۶	متعلقات حدیث	۲۷
علوم القرآن	۱۷	عقائد	۲۲۲
اعجاز القرآن	۱۹	عقائد امامیہ	۲۳
وحی اور الہام	۱۱	فقہ	۱۳۵۳
اسباب النزول	۳	صلوٰۃ	۱۵۴
ناسخ و منسوخ	۵	صیام	۵۰
خواص القرآن	۱۰	زکوٰۃ	۲۴
فضائل قرآن	۱۰	حج	۶۲
ادعیہ قرآن	۱۷	خطبات جمعہ و عیدین	۳۷
لغات القرآن	۲۷	فرائض، مسائل میراث	۵۴
تخریج آیات القرآن	۱۱	نکاح و طلاق	۵۹
فہرست مضامین قرآن	۱۵۷	ربا	۲۳
مباحث قرآن	۱۵	سماع	۲۵

معارف قرآن	۱۱
تاریخ جمع و ترتیب قرآن	۱۹
تاریخ مفسرین	۲
احادیث	۲۵۶
چہل حدیث	۹۰
علم فقہ	۱۰
تاریخ فقہ و فقہا	۹
الکلام	۴۵۵
مسئلہ علم غیب	۱۵
حشر و نشر	۵۸
اسلامی اخلاق	۸۶
اسلامی معاشرت	۲۴
اسلامی تہذیب و تمدن	۳۶
اسلامی معاشیات	۳۰
نسائیات	۱۰۶
تصوف	۱۱۹۵
وعظ	۱۸۵
تقاریر و خطبات	۵۸
اسلامی سیاسیات	۱۲۳
اسلام اور اشتراکیت	۱۴
جہاد	۳۵

فتاوی	۹۴	
فتاوی جواز میلاد و فاتحہ	۱۴	
فقہ شافعی	۱۰	
فقہ امامیہ	۲۱۳	
اصول فقہ	۱۴	
دروس قرآن	۲۹	
سیرت النبی	۴۰۸	
میلاد النبی	۲۳۵	
نور نامہ	۲۶	
مبشرات	۱۸	
نسب نامہ آنحضرت	۶	
معراج نامے	۵۳	
شمائل	۳۰	
خصائص محمدیہ و فضائل	۱۴	
اخلاق النبی	۱۶	
معجزات	۴۵	
وفات نامہ	۲۶	
صلوٰۃ و سلام	۱۳	
سیر	۱۵۱	
مناظرہ نصاریٰ	۵۶	۳۳۲
رد مناظرہ نصاریٰ	۲۷۶	

اسلامی قانون	۶۱		مناظرہ آریہ	۲۸	۱۱۱
تبلیغ اسلام	۱۷۲		رد مناظرہ آریہ	۸۳	
مواعظ	۱۰۴		شیعی مناظرہ	۲۶۶	۴۰۷
دینی مقالات	۵۱		رد شیعی مناظرہ	۱۴۱	
دینی مکاتیب	۲۹		مناظرہ غیر مقلد	۸۲	۲۱۶
اسلامی تعلیم	۴۰		مناظرہ مقلد	۱۳۴	
احمدیت	۱۷۱	۳۱۱	علم جفر	۲۲	
رد احمدیت	۱۴۰		تکسیر	۴۵	
جدلیات	۲۷۳		عملیات	۸۴	
رد بدعات	۲۴		اوراد و وظائف	۱۳۵	
امامیات	۱۹۹		مناجات	۱۹	
مصائب	۲۶۳		مدحیہ و نعتیہ قصائد	۲۷	
ادعیہ امامیہ	۴۲		نعتیہ کلام	۱۲۹	
اسلامی فرقے	۹		نظمیات	۲۴	
باطنیہ اسماعیلیہ	۵		مناقب	۴۲	
مہدویہ فرقہ	۱۲		مذہبی مثنویات	۷۰	
بہائی مذہب	۱۷		منظوم دینی قصے	۴۶	
نیچریت	۱۱		تعبیرات	۳۱	
دواوین نعتیہ	۸۲		فالنامے	۲۹	

یہ فہرست اس لحاظ سے نامکمل ہے کہ اس میں ادھر کے تین سال کی مطبوعات شامل نہیں ہیں۔ دوم بہت سی ایسی کتابیں اور قلمی نسخے ہیں جو مرتب کی دسترس سے باہر تھیں۔ تیسرے

یہ ان مفید علمی مقالوں کو حاوی نہیں جو اُردو کے مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں جو بسا اوقات کتابوں سے بھی زیادہ وقیع اور درخور اعتنا ثابت ہوں گے۔ اگر یہ ساری چیزیں اس میں شامل ہو جاتیں تو یہ فہرست اور وقیع نظر آتی۔ لیکن باوجود اس تشنگی کے محض اس فہرست کی بنا پر اردو کو دنیا کی بڑی زبانوں کی صف میں جگہ مل سکتی ہے۔ اگر اس کا مقابلہ دوسری زبانوں کے اسلامی لٹریچر کی فہرست سے کیا جائے تو اردو کی برتری کے واضح پہلو نظر آئیں گے۔ اس موضوع سے شغف رکھنے والے حضرات کے لئے براکلمان اور اسٹوری کی فہرستیں موجود ہیں جن سے وہ حقیقت کا پتا لگا سکتے ہیں۔

گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اردو زبان نے ہندوستان کی عام اجتماعی و قومی ضرورت کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کیا۔ لیکن ملک کے مذہبی تقاضے اس زبان کے ذریعے جس طرح پورے ہوئے وہ کسی ایک زبان کے حصے میں نہیں آئے۔ یہ تقاضے کسی ایک مذہب کے ساتھ مخصوص نہ تھے اس زبان نے جتنی اسلام کی خدمت کی ہے اتنی ہی دوسرے مذاہب کی کی ہے۔ اردو کی فراخدلی اور ہمہ گیری کا یہ سب سے بڑا ثبوت ہے۔ دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ اُردو زبان میں جو اسلامی علوم سے متعلق ادب ہے، وہ اپنی کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے عربی و فارسی ادب سے حقیر نہیں اور یہاں کے اسلامی ادب میں جو ہندوستانی عناصر ہیں اس کی وجہ سے یہ ادب نہایت درجہ ممتاز ہو جاتا ہے۔ اردو میں علوم اسلامیہ کا سرمایہ دیکھتے ہوئے یہ حکم لگانا بے جا نہ ہوگا کہ اس کو بین الاقوامی درجہ حاصل ہے۔

★ یہ مقالہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سہ ماہی مجلہ "فکر و نظر" سے ماخوذ ہے ایڈٹنگ میں بعض مقامات پر

معمولی سا تصرف کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ بھارت کے ایک رسالے کے لئے بھارت میں رہ کر لکھا گیا ہے اس لئے پاکستانی قارئین کو ممکن ہے اس کے ماحول میں کہیں کہیں اجنبیت محسوس ہو۔

اسی طرح فرقوں اور مذہبی گروہوں کے متعلق گفتگو میں بھی بعض نکات سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ مباحث مقالے میں ضمناً آئے ہیں موضوع زیر بحث کو مد نظر رکھ کر دیکھا جائے تو مقالہ بحیثیت مجموعی مفید اور پُر از معلومات ہے ——————— (مدیر)